Sahitya Samhita

Available at http://www.sahityasamhita.org/

ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

27

کرشن چندر کی افسانہ نگاری

شہزادہ اختر، ریسرچ اسکالر، برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال

email ID:irshadmantoo@rediffmail.com

کرشن چندر کا پہلا افسانہ یوں تو ''ماسٹر بلکیی'' کے عنوان سے 1926ء میں ہفتہ وار ریاست دہلی میں شائع ہوا تھا۔لیکن کرشن چندر کے افسانوی سفر کا آغاز 'یرقان' سے ہوتا ہے۔جو ادبی دینا لاہور میں 1936ء میں شائع ہو کر مقبول عام ہوا تھا۔

'یرقان' کو کرشن چندر کا پہلا افسانہ بتاتے ہوئے مہندر ناتھ لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ افسانہ کالج کے دنوں میں لکھا تھا۔ان پر ایک بار یرقان کا حملہ ہوا تھا۔اور اس بیماری کے بعد ہی کرشن چندر نے افسانہ 'یرقان' لکھا جس پر یرقانیت کا کافی اثر ہے۔

ابتدائی دور میں کرشن چندر رومانی افسانے لکھتے رہے۔حسن و عشق کی داستان حسین اور دلچسپ انداز میں بیان کرتے رہے۔لیکن جوں جوں انکا سماجی شعور بیدار ہوتا گیا۔وہ رومانیت سے قدرے دُور ہوتے ہوئے حقیقت نگاری اور زندگی کے اسرار و رموز کو اپنے تمام تر احساسات و جذبات کے ساتھ فن کی بھٹی میں پتا کر افسانوی قالب میں پیش کرتے گے۔

کرشن چندر کی زودنویسی کافی مشہور ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کے 32 افسانوی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔جن پر ہم ایک نظر ڈالیں تو طلسم خیال (1939) ہوائی قلعے (1940) گھونگھٹ میں گوری جلے (1941)، زندگی کے موڑ پر (1943)، نئے افسانے (1943)، نغمے کی موت (1944)، پرانے خُدا (1944) اجنتا سے آگے (1948)، ایک گرجا گر ایک خندق (1948)، (1947)، تین غنڈے (1948)، ان داتا (1944)، ہم وحشی ہیں (1947)، ٹوٹے ہوئے تارے (1947)، سمندر دور ہے (1948)، شکست کے بعد (1951)، نئے غلام (1953)، میں انتظار کروں گا (1953)، مزاحیہ افسانے (1954)، ایک روپیہ ایک پھول (1955)، یوکلپٹس کی ڈالی (1955)، ہائڈروجن بم کے بعد (1955)، کتاب کا کفن (1956)، مسکرانے والیاں (1960)، سپنوں کا قیدی (1964)، مس نینی تال (1964)، گلشن گلشن ڈھونڈا تجھ کر (1967)، آدھے گھنٹے کا خُدا (1969)، اور اُلجھی لڑکی کالے بال (1970)، تک رسائی ہوتی ہے۔

کرشن چندر کے سحر کا زمانہ 36 کے ابتدائی دور سے شروع ہوتا ہے۔پھر 47 کے فسادات ہوتے ہیں اس کے بعد اُردو افسانہ اس طرز احساس اور اسلوب بیان سے اکتا کر نئے رجحانات سے آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔مگر سچی بات یہ ہے کہ اُردو افسانے میں نئے رجحانات اور نئے اسالیب کے عمل دخل کے باوجود کرشن چندر کے رنگ میں لکھا جانے والا افسانہ آج بھی اثر رکھتا ہے۔کرشن چندر کی رومانیت اپنے عہد کے مزاج سے نکلی تھی۔مگر انہوں نے اپنے زور تخلیق سے اس میں اتنی توانائی پیدا کی کہ وہ اگلے عہد تک چلی اور اس پر اثر انداز ہوئی۔اس

28

سلسلے میں انتظار حسین نے لکھا تھا۔

''کرشن چندر کے ساتھ اُردو افسانہ رومانیت کے چنگل سے نکلا اور رومانی حقیقت نگاری کے حدود میں داخل ہوا۔ اس نئی روایت میں رنگی ہوئی انکی حقیقت نگاری پورے عہد کو اپنے ساتھ بہالے گئی۔ میں یوں سمجھو کہ کرشن چندر ایک فیشن بن گئے۔ نوخیز ذہن میں جو افسانہ آتا وہ کرشن چندر کے رنگ میں رنگا جاتا''۔

ادب محض خوش وقتی اور ذہنی عیاشی کا سامان نہیں بلکہ علم ودانش کا ایک حصہ اور زندگی کا ایک اہم صحیفہ ہے۔ ادب سے جہاں ہماری جمالیاتی حس کی تیکسن ہوتی ہے اور ایک خاص طرح کی مسرت سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ادب ہماری فکری بصیرت اور ذہنی ارتقا کا وسلیہ بھی ہے۔ اور اس امر کا احساس کرشن چندر کو شدت کے ساتھ ہمیشہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بالکونی، دل کسی کا دوست نہیں، نغمے کی موت، گل دان، چینی پنکھا، پالنا، جہلم میں ناؤ پر، سُرخ پھول اور گرجن کی ایک شام جیسے افسانے لکھے۔ جن میں انکی جمالیاتی حس اور رومانیت پوری طرح اُجاگر نظر آتی ہے۔

مثال کے لئے جہلم میں ناؤ پر، ایک اقتباس ملاحظ ہو۔

''بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی ایک حسین کی تلاش میں تھا۔ میں نے ٹائی کی گرہ ٹھیک کی اور لاری کے اندر چاروں طرف نگاہ دوڑائی، مگر آہ، اس مسافروں سے بھری ہوئی لاری میں جو اپنی زندگی کی منزل پر بے تحاشہ بھاگ جارہی تھی۔ مجھے کہیں بھی رومان نظر نہ آیا۔ دل برداشتہ چہرے تھے اور حقے یا پھر تھانیدار صاحب کا مورچھل۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دل ہی دل میں کہا کہ اس لاری میں سب کچھ ہے مگر حُسن ناپید ہے۔''

لیکن آگے چل کر جوں جوں کرشن چندر کا سماجی شعور بیدار ہوتا گیا، وہ رومانیت سے حقیقت نگاری کی جانب آتے گئے۔ اور 'یوکلپٹس کی ڈالی، مہالکشمی کا پل، پشاور ایکپرس، خونی ناچ، دوفرلانگ لمبی سڑک اور ایک آنہ وغیرہ جیسے افسانے لکھ کر انہوں نے اُردو افسانے میں قابلہ قدر اضافے کے۔ ان تمام افسانوں کے مطالعے سے کرشن چندر کے دھڑکتے ہوئے دل میں انسانیت کے درد داغ اور جستجو و آرزو کے گہرے احساس کے ساتھ ساتھ ان کا مارکسی نقطہ نظر واضع طور پر نظر آتا ہے۔

مثال کے طور پر کرشن چندر کا مشہور افسانہ ''مہالکشمی کا پُل'' پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس میں فرقہ وارانہ فساد کی شکار ایک لڑکی جب گرتی ہے۔ تو اسکے ہاتھ میں مارکسزم کی ایک کتاب ہوتی ہے۔ لیکن کرشن چندر کی افسانے پر فنی گرفت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ کسی بھی جگہ ایسا محسوس نہیں ہوتا ہے کہ کرشن چندر اپنے مارکسی نظریات کی تبلیغ کررہے ہے۔ کرشن چندر نے بیشتر افسانے ایسے لکھے ہیں جن میں انسان کی بے بسی، مُفلسی، بے کسی، تنگ دستی، بدحالی اور استحصال کی تصویریں جیتے جاگتے کرداروں میں ملتی ہیں۔ اس ضمن میں کرشن چندر کے چند افسانوں کے اقتباس ملاحظ ہوں:

ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

Sahitya Samhita

Available at http://www.sahityasamhita.org/

"روپے کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، کوئی رنگ اور مزاج نہیں ہوتا، اس کی کوئی قوم نہیں ہوتی اور اس کا کوئی ملک نہیں ہوتا۔ اس کی کوئی محبت نہیں ہوتی۔ روپے کی ابتدا اور انتہا روپیہ ہے۔ اور زیادہ روپیہ اور زیادہ روپیہ"

(برہمن)

"پانڈے نے کہا آج دس روز سے ہم لوگ ہڑتال پر ہیں۔ سُنا ہے آج سے آٹھ روز کے بعد گورنر صاحب اس بلڈنگ کو کھونے والے تھے۔ لیکن اب یہ بلڈنگ نہیں کھلے گی، اسے ہمارے سوا کوئی نہیں بنا سکتا۔ بُلا لیں کسی بڑے سے بڑے آدمی، بڑے سے بڑے نیتا کو اور اس سے یہ عمارت مکمل کرالیں۔ ہم بھی دیکھیں گے۔ یہ لوگ پتھر ڈھونا نہیں جانتے ہیں"۔

"ایک سیتا ایک مگر مچھ"

کرشن چندر کا افسانہ (ان داتا) بھی اس صف میں رکھا جا سکتا ہے۔ جو کہ بنگال کے بھیانک قحط اور اس کے اثرات پر لازوال افسانہ ہے۔ اس کے متعلق ممتاز حسین لکھتے ہیں:

"ان داتا ایک طویل مختصر افسانہ نہیں سمجھتا ہوں کیوں کہ ان داتا میں رپوتاژ، ڈرامہ اور افسانہ کی ملی جلی شکل ہے۔ کچھ لوگ اس سے فینٹی بھی بتاتے ہیں لیکن یہ بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتا"۔

اسی دوران دینا کے افق پر دوسری جنگ عظیم کے مہیب بادل محیط ہو رہے تھے۔ فسطائی اور سامراجی طاقتیں اپنی پوری بربریت کے ساتھ اپنا رول ادا کر رہی تھیں۔ ادب میں بھی سماجی بے چینی اور تلخی دبے پاؤں آنے لگی تھی۔ کرشن چندر کا دل ایک حساس انسان کا دل تھا۔ جس نے 'گل فروش' خونی ناچ، بے رنگ و بو، اور دو فرلانگ لمبی سڑک، جیسے پر اثر اور افسانوی ادب ہمیشہ زندہ رہنے والے افسانے لکھوائے۔

کرشن چندر کے اعلیٰ صلاحیتوں، تحریر کی شگفتگی اور فکر و فن کا اعتراف بڑے بڑے ناقدوں نے کیا ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کرشن چندر کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

"انسانی قدروں کی مرقع نگاری حیثیت سے اردو میں کرشن چندر کی حیثیت ہمیشہ رہے گی۔ عوام و خواص میں جتنی مقبولیت کرشن چندر کو نصیب ہوئی وہ بہت کم لوگوں کو میسر آئی ہے۔ ان میں تین باتیں خاص تھیں۔ مناظر فطرت سے والہانہ محبت، اخلاص سے معمور انسان دوستی اور جذبات سے تھرتھراتا ہوا سادہ اور خوبصورت اسلوب"۔

(پروفیسر گوپی چند نارنگ)

"کرشن چندر نے اُردو زبان میں انسانی وجود کی، اس کے قلب کی سوئی ہوئی وادیوں کو جگایا تھا۔ جہاں کسی اور کی رسائی نہ ہو سکی۔ وہ اپنے ساحرانہ بیان سے ان وادیوں کی رسائی رنگینی، شادابی اور دلکشی کو اپنے قارئین کی روح میں منتقل کر دیتا تھا۔ اس کی کہانیوں میں

Sahitya Samhita

Available at http://www.sahityasamhita.org/

ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

انسان کے مقدس اور معصوم جذبات دل کی طرح دھڑکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ آہوں اور آنسوؤں، امیدوں اور مایوسیوں اور قہقہوں اور مسکراہٹوں سے آنکھ مچولی کھیلے یہ انسانی جذبات ہی اس کا سرمایہ حیات ہیں''۔

(ڈاکٹر قمر رئیس)

لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے بھی کرشن چندر سے کئی اچھے بلکہ بے حد معیاری اور شہکار افسانے لکھوائے جس پر ترقی پسند ادب آج بھی فخر کرسکتا ہے۔

کرشن چندر اس تحریک کی سب سے بڑی دین نے اپنے افسانوں میں دبے کچلے دکھی غم زدہ استحصال شدہ مظلوم انسانوں کی حالت زار کی مکمل تصویر پیش کی ہے۔ سچائی یہ ہے صرف تصویر ہی نہیں بلکہ ایسے مظلوم انسانوں کو حوصلہ اور ہمت سے کام لینے کی ترغیب بھی دی۔ مایوسی اور محرومی کے راستے سے ہٹایا۔ جدوجہد کی ڈگر پر چلایا اور سنہرے مستقبل کے خواب دکھائے ایسا خواب جس کی تعبیر سچی ہو اور منزل سامنے۔

اگر آپ افسانوی ادب اور تنقید پر ترقی پسند تحریک کے اثرات کا ایک عمومی جائزہ لے تو آپ ان اثرات کو کرشن چندر کی کہانیوں میں با آسانی تلاش کرسکتے ہیں۔ کرشن چندر کا افسانوی ادب خواہ وہ افسانہ ہو یا ناول ترقی پسند تحریک سے کافی متاثر ہے۔

موضوع کے لحاظ سے اس پہلے اُردو کے افسانوں میں اتنی صاف گوئی اور بے باکی کہیں نہیں ملتی جلتی جتنی ترقی پسند تحریک ک کے بعد افسانوں میں ملتی ہے۔ یہ ترقی پسند تحریک کا ہی اثر ہے کہ نوابوں جاگیرداروں، شھزادوں اور راجکماروں کی جگہ ادب میں عام انسان ہیرو اور مظلوم غریب عورت ہیروئن نظر آنے لگی۔ افسانہ 'مرزا کپی' کی بلوچن اور افسانہ 'آلوچے' کی وہ کشمیری عورت جو آلوبیچتی ہے۔ اسکی بڑی خوبصورت مثال ہے۔

کرشن چندر کا سرمایہ دار طبقے کے خلاف غم وغصے کا اظہار انکے اشتراکی ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی ایک سال افسانہ 'مہالکشمی کا پل' میں نظر آتی ہے۔ جس میں پل کے پاس رہنے والوں کی غربت، بے کسی، وفاداری کی کہانی ہے۔ جو محنت کش طبقے یا ادنی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ یا تو مزدور یا چپراسی ہیں یا پھر برتن مانجنے والی عورتیں ہیں۔ سرمایہ دار طبقے نے غیر منظم مزدور طبقے پر اپنے ظلم وبربریت کی ساری حدیں توڑ دی ہیں۔ وہ بے قصور مزدور کو صرف اس لئے نوکری سے نکال دیتا ہے کہ اب ان مزدوروں میں بھی بے جا ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ہے۔ اس نوع کی بے شمار کہانیاں ہیں جو بطور خاص کشمیر کے کھیتوں سے ممبی کے ملوں تک بکھری پڑی ہیں۔ انسانیت سوز ظلم کی مثال افسانہ، ان داتا، کالو بھنگی، ٹیکسی ڈرائیور، کچرا بابا، بارود اور چیری کے پھول، حاجی پیر کا بیٹا جسن اور حیوان، میں انتظار کرونگا، جوتے پہنوں گا، پھول سرخ ہیں۔ دسواں پل اور کشمیر کو سلام وغیرہ میں موجود ہیں۔

ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

Sahitya Samhita

Available at http://www.sahityasamhita.org/

کرشن چندر عوام دشمن سامراجی طاقتوں سرمایہ پرست لوگوں اور سیاسی بداعمالیوں کے مرتکب افراد سے ہمیشہ جنگ کرتے رہے۔ بلکہ جب ان پر شدید غم وغصے کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔تو ان کا طنز گہرا ہو جاتا ہے۔وہ قاری کو جھنجوڑ کے رکھ دیتے ہیں اور سماج کو بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں اور انسانی اتحاد پر زور دیتے ہیں۔

افسانہ، بالکونی، کا ایک کردار عبداللہ ہے۔عبداللہ سوچتا ہے کہ کب تک اس کا بیٹا صاحب لوگوں کے لیے پانی کی بالیٹاں بھرتا رہے گا۔کب تک اس کا چھوٹا بیٹا جو چھوٹا بشتی کہلاتا ہے۔اس رواج اور کام جاری رکھے گا اور امیروں کا ظلم سہتا رہے گا۔کیا غریبوں کے کچھ ارمان اور خواہشات نہیں ہوتے؟ حقیقتاً وہ بھی اچھے کھانے پینے اور اچھی تعلیم حاصل کرنے کے آرزوں مند ہوتے ہیں۔وہ بھی زندگی ہنسی خوشی سے گذارنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ان سب خواہشوں اور امنگوں کے باوجود عبداللہ مثبت رویوں کا مظہر ہے۔ایک حقیقت پسند کردار ہے۔اس لئے اُس نے اپنے بیٹے کا نام ''غریب'' رکھا ہے۔کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو راجہ بیٹا کہہ کر خود فریبی میں مبتلا بھی ہونا چاہتا ہے۔نہ دنیا والوں کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔اس کے خیالات ترقی پسند ہیں۔وہ کسی حد تک روایت شکن بھی اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتا ہے۔اُس سے بڑا آدمی بنانا چاہتا ہے۔اُس سے اونچے عہدے پر دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔وہ ہرگز اُس سے دوسرا بشتی بنتے نہیں دیکھ سکتا۔وہ اُس سے سماج میں وہ مقام دلانا چاہتا ہے۔جو خود اُس سے کبھی نہ مل سکا۔اس کے ساتھ اسے زندگی کی ان خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار دیکھنا چاہتا ہے۔جو خود اس سے چھو کر بھی نہیں گئیں۔

اس کے لئے وہ کوشاں بھی رہتا ہے اپنی حثیت اور بساط کے دائرے میں بھلے ہی اپنی زندگی میں عبداللہ اس خواب کی تعبیر نہ دیکھ سکا۔جو اپنے بیٹے کے خوبصورت مستقبل کے لئے دیکھا کرتا تھا۔باوجود اس کے ہر انسان کو اپنے خواب دیکھنے کا پورا حق ہے۔

کرشن چندر نے تقسم کے المیے پر بھی بہت سارے افسانے تحریر کیے۔ان کی اپنے افسانوں کا مجموعہ 'ہم وحشی ہیں' **1947** نومبر میں شائع ہوا۔اس مجموعے کی اشاعت نے افسانہ نگاری، ناول نوسیوں کو اس موضوع کی طرف رغیت دلائی اور پھر ایک ماحول بنتا گیا۔ اُردو کے تقریباً سبھی افسانہ نگاروں نے فرقہ وارانہ فسادات، ہجرت قتل وغارت گری اور تقسیم کے درد پر افسانے قلم بند کیں۔

ہم وحشی ہیں' کے سارے افسانے **47** کے درد کے چشم دید گواہ ہیں۔ان افسانوں میں کرشن چندر کے کیمرے نما قلم نے ان واقعات کو قید کر لیا ہے۔اور قاری جب انھیں پڑھتا ہے تو صرف پڑھتا نہیں بلکہ اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔مجموعے کے سبھی افسانے، جانور، دوسری موت، امرتسر، آزادی سے پہلے، پشاور ایکسپرس، ایک طوائف کا خط، لال باغ، جیکس، اندھے تقسیم کے المیے کے تعلق سے اُردو کے شاہکار افسانے ہیں۔

'امرتسر آزادی سے پہلے، کرشن چندر کا تقسیم ہند کے المیے پر تحریر کردہ بے مثال افسانہ ہے۔اس افسانے میں کرشن چندر نے فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے امرتسر میں آزادی سے قبل کے ماحول کی بھرپور عکاسی کی ہے۔جب ہندو اور مسلم سب مل جل کر ایک خاندان

ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

کی طرح رہتے تھے۔ایک دوسرے کے تہواروں میں شرکت کرتے اور ایک دوسرے کے غموں کو بانٹتے،خوشیاں ساتھ مناتے ''پشاور ایکسپرس'' تقسیم کے المیے پر تحریر کردہ کرشن چندر کا ایک شاہکار افسانہ ہے۔ 'پشاور ایکپرس' کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس افسانے کا مرکزی کردار کوئی فرد نہیں بلکہ ریل گاڑی ہے۔جو پشاور ممبی تک کا سفر کرتی ہے۔کرش چندر نے خوبصورت پیرائے میں ریل گاڑی کو وسلیہ بنا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

فسادات کے پس منظر میں تحریر کردہ کرشن چندر کا افسانہ (پشاور ایکپرس) فرقہ وارانہ تشدد کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔جن میں سچائی کے ہمراہ تلخی بھی ہے۔بے جان 'پشاور ایکسپرس' کو ایک شخصیت عطا کی گئی ہے۔اسی کی زبانی کہانی آگے بڑھتی ہے۔جہاں فسادات میں ملوث کردار اپنے مکرو چہرے یکے بعد دیگرے روبرو ہوتے جاتے ہیں۔افسانہ نگار کا تجربہ جذباتی نہ ہو کر دانشوارانہ ہے۔ لیکن اس دانشوری میں کرب کا رنگ بھی ہے۔

(اقتباس دیکھے)

''لاکھوں بار لعنت ہوان رہنماؤں پر،اور انکی آئندہ سات پشتوں پر جنھوں نے اس خوبصورت پنجاب،اس البیلے، پیارے سنہرے چناب کے ٹکڑے ٹکڑے کردے تھے۔اور اس کی پاکیزہ روح کو گہنا دیا تھا اور اس کے مظبوط جسم میں نفرت کی پیپ بھر دی تھی۔آج پنجاب مر گیا تھا''۔

یہ ایک اور اقتباس دیکھیے

''اس کے نغمے گنگ ہو گئے تھے۔اس کے گیت مُردہ۔اسکی زبان مُردہ۔اس کا بے باک نڈر۔بھولا بھالا دل مُردہ اور نہ محسوس کرتے ہوئے اور آنکھ نہ رکھتے ہوئے بھی میں نے پنجاب کی موت دیکھی''

تقسیم سے پیدا شدہ فسادات اور انکے اثرات سے نالاں کرشن چندر اپنے مخصوص نظرے کی پیش کش کرتے ہوئے پشاور ایکسپرس کو اپنی زبان عطا کرتے ہیں۔

''میں لکڑی کی ایک بے جان گاڑی ہوں،لیکن پھر بھی چاہتی ہوں کہ اس خون اور گوشت اور نفرت کے بوجھ سے مجھے نہ لادا جائے۔میں قحط زدہ علاقوں میں اناج ڈھوں گی۔۔۔۔۔۔میں کوئلہ،تیل اور لوہا لے کر جاؤں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

کرشن چندر نے تقسیم ہند کے بڑے اثرات دیکھے اور سُنے ضرور لیکن انکی ذاتی تجربات سے وہ نا آشنا رہے۔اس کے باوجود تقسیم کے خون آشام حادثات کی تصویر کشی کرنے میں وہ بے حد کامیاب رہے۔

کرشن چندر کے افسانے ''پشاور ایکسپرس'' کا سب سے بڑا وصف اس کا مرکزی کردار ہے۔یہ کردار گوشت پوست کا کوئی ذی روح نہیں۔بلکہ آہنی جسم کی مالک ریل گاڑی ہے۔اردو افسانے میں یہ ایک تجربہ تھا۔جس سے کامیاب کہنا چاہیے۔کرشن چندر

ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

33

نے ریل گاڑی کے محسوسات کو بڑی ہنر مندی سے لفظوں کا لبادہ عطا کیا ہے۔انسانی دنیا میں وحشت و بربریت کا راج ہے۔انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہے۔مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کا قتل ہو رہا ہے۔قتل و غارت گری کے اس گرم بازار میں آہنی جسم کی مالک، ریل گاڑی ، کے جذبات اور محسوسات کے ذریعے کرشن چندر نے انسانیت کو للکارا ہے۔انسانوں کو شرم دلائی ہے۔ریل گاڑی محسوس کر رہی ہے کہ ظلم و بربریت پر اتارو، یہ لوگ انسان نہیں ہے۔یہ تو انسان ہونے کے مستحق بھی نہیں۔ریل گاڑی جیسے چلتی ہے مگر ریل گاڑی اپنے اندر، اپنے مکینوں (مسافروں) کو مرتا، کٹتا، آہیں بھرتا ہوا۔مدد کے لئے چیخ و پکار کرتا ہوا دیکھتی رہی مگر بے بس و مجبور انسان کی طرح کچھ کر نہیں سکی۔

کرشن چندر کے افسانوں کے مطالعے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ کرشن چندر ایسے خوش نصیب افسانہ نگار ہیں۔جنھوں نے اپنے اسلوب ، آرٹ اور فن کے ساتھ ساتھ اپنے تجربے اور مشاہدے کے شاندار اظہار کی بنا پر اپنے پہلے ہی افسانے کی اشاعت کے بعد شہرت حاصل کر لی۔جس سے متاثر ہو کر ان کے ہم عصر افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی کو یہ کہنا پڑا تھا کہ:

”کرشن چندر اُردو افسانہ کو داستان کے دور سے نکال کر مغربی ادب کے شاہکاروں کے دور میں لے آیا، وہ واحد افسانہ نگار ہے جس نے پہلے ہی افسانہ پر شہرت حاصل کر لی“

کرشن چندر کے ابتدائی دور کے افسانوں میں بھی ان کا جو اسلوب ملتا ہے۔وہ ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں سے مختلف اور منفرد تھا۔

ان کی شگفتگی تحریر، ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ آنے والی کئی نسلوں کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکی۔اس سلسلے میں مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی لکھتے ہیں۔

”اسلوب کے ایک حصے پر تو انھیں قابو تھا۔مثلاً منظر کشی، تشبیہات، اشعارے اور احساس جمال“

”میں نے کتنا چاہا کہ کرشن چندر کا قلم مجھے مل جائے اور میری لکنت دور ہو جائے“

بیدی کے اس اظہار خیال سے کرشن چندر کے اندر کی فنکارانہ صلاحیتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

جدیدت کے دور میں بھی کرشن چندر کو کبھی فراموش نہیں کیا گیا اور ان کے کئی افسانے مثلاً چھڑی، مردہ سمندر اور غالیچہ وغیرہ کو دورِ جدید کا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کیا گیا۔حقیقت یہ ہے کہ کرشن چندر نے افسانوی ادب میں جو ایک معیار اور وقار قائم کیا اور جو قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے، ان پر ہم جس قدر فخر کریں کم ہے۔

Sahitya Samhita
Available at http://www.sahityasamhita.org/
ISSN- 2454-2695
Volume 03 Issue 0
January 2017

34

حوالہ:

۱۔ ڈاکٹر احمد حسین: کرشن چندر اور مختصر آفسانہ نگاری، موڈرن پبلشن ہاؤس دریا گنج، نئی دہلی ۱۹۸۹

۲۔ ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی: کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی منظر میں) انجمن ترقی اردو، نئی دہلی ۲۰۰۴

۳۔ جلانی بانو کرشن چندر۔ ہندوستانی ادب کے معمار، سہاتیہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۸۶

۴۔ کرشن چندر ایک عورت ہزار دیوانے، رسالہ بیسویں صدی، دہلی ۱۹۴۰

۵۔ کرشن چندر ہم وحشی ہیں، ایشیا پبلیشرس، نئی دہلی ۲۰۰۲